عصر حاضر کا ایک عظیم صوفی خواجہ فقیر محمد الباروی قدس سرہٗ

محمد رمضان نجم باروی ☆

Abstract:

Time to time some persons came between misties group whom presented the misticism in its original and real form showed its real shape and leaned it depeartmental from every kind of negative temprament.

One of those the personalities of modern age is Khawaja Faqeer Muhammad Barvi the late. He owned of healthy santness who made conspicuous of misticism by his practically life. He had devoted his life always for religion scholors and students, he devoted his life for the serve of religious I mean for Quran and Sunna. The sun of last year 2014, set by the death of this great sainat but his bounty's sun will be always the midday.

Key Words:

Time, Persons, Misties, Misticism, Original, Shape, Temprament, Personalities, Santness, Conspicuous, Bounty.

مخلوق میں سب سے عظیم ورفیع منصب نبوت ورسالت کا ہے جس میں کسب واخذ کا کوئی دخل نہیں، یہ صرف انتخاب خداوندی ہے جس کا اظہار عالم ارواح میں ''اخذ میثاق''(۱) کی صورت میں ہوا۔ نبوت کے بعد جو سب سے افضل واکرم درجہ ہے وہ ولایت کا ہے، جسے فقر، سلوک، تصوف، طریقت، معرفت، صالحیت،

☆ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ وعربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

محبوبیت، احسان اور جذب وخود فراموشی جیسے الفاظ منفردہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نبوت کو ولایت لازم ہے لیکن ولایت کو نبوت لازم نہیں، یعنی جو انسانِ کامل رسالت ونبوت سے متصف کیا گیا ہے، وہ دو بنیادی حیثیتوں کا حامل ضرور ہوتا ہے۔ تعلق باللہ اور تعلق بالخلق، تعلق باللہ کی جہت ولایت سے اور اس کے ساتھ تعلق بالخلق بھی ہو تو اسے نبوت ورسالت سے بیان کیا جاتا ہے۔ (۲)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ سب افراد اُمت ہیں۔ افرادِ اُمت بھی تعلق باللہ اور تعلق بالخلق دونوں کے لیے مامور ہیں لیکن وہ نبی نہیں کہلاتے، کیوں کہ یہ واسطہ نبوت ورسالت کے محتاج ہوتے ہیں جب کہ نبی اپنے رب سے حصول فیض اور قبول احکام میں کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ اُمتی بلا واسطہ نبی، اللہ تعالیٰ سے احکام وصول نہیں کرسکتا اور نہ ہی ان کی تفصیل وتوضیح سے آگاہ ہوتا ہے یعنی تعلق باللہ میں غیر نبی، نبی کے واسطے کا محتاج ہے جب کہ نبی اس کا محتاج نہیں۔

مقامِ ولایت کو حاصل کرنے کے دو ذریعے ہیں جن کا اظہار کئی انواع سے ہوسکتا ہے۔ محض فضل خداوندی، جس کو مقامِ نبوت ورسالت سے بہت مناسبت ہے کہ نبوت کو بھی کسب وریاضت سے نہیں حاصل کیا جاسکتا بلکہ یہ بھی محض فضل وعنایت اور انتخاب الٰہی ہوتا ہے۔ دوسرا ذریعہ ولایت، کسب مع الفضل ہے۔ اس کے لیے شرعی احکام پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وسنن کی روشنی میں استقامت وہمیشگی کے ساتھ عمل کرنا ضروری ہوتا ہے اور شرعی احکام پہ عمل کے لیے اُن کا جاننا اور علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ بلا علم، عمل کے جادۂ مستقیم پہ قدم اوّلین رکھنا ہی ممکن نہیں تو جتنا عمل زیادہ ہوگا اسی قدر علم درکار ہوگا، ورنہ بلا علم عمل کبھی بلکہ اکثر اوقات ہدایت ورُشد کے بجائے ضلالت وطغیان کا باعث بن جاتا ہے اور اس کی ہزاروں مثالیں ہوسکتی ہیں۔ علم کے ساتھ راہِ تصوف پر چلنے اور مقصد کو حاصل کرنے کی اور بھی شرائط ہیں مگر علم وعمل اور شریعت وطریقت کا چولی دامن کا رشتہ ہے۔ علم تو بلا عمل ہوسکتا ہے لیکن عمل بلا علم ممکن نہیں البتہ حصولِ علم کے ذرائع مختلف ہوسکتے ہیں۔

اولیاء کاملین جو مسند رُشد وہدایت پر فائز ہوئے انہوں نے علم قرآن وسنت، علم فقہ اور علم معرفت حاصل کیا اور پھر عملی زندگی میں مجاہدات وریاضات سے حضور وقرب خداوندی میں آگے بڑھتے گئے جس کی انتہاء نہیں، ایسی ایسی ریاضتیں، مشقتیں اور نفس کشی کے لیے ایسے کٹھن ومشکل مراحل سے گزرے کہ آج کا غافل انسان سن کر اور پھر اپنی زندگی کی بے مائیگی وبے ذوق کیفیت کو دیکھ کر اسلاف کی عبادات وریاضات کو ہی شک کی نگاہ سے دیکھنے لگ جاتا ہے لیکن اللہ جل شانہٗ نے وقتاً فوقتاً ایسی قدسی صفات کو بھیجنے کی کریمانہ

عادت کو جاری رکھا ہوا ہے جو اسلاف کی مجاہدانہ ریاضتوں کی یادوں کو نہ صرف یہ کہ زندہ کر دیتی ہیں بلکہ اُن پر اُٹھنے والے شکوک وشبہات کا بھی اپنے عمل سے قلع قمع کر دیتے ہیں۔ ایسی ہی شخصیات میں سے عصر رواں کی ایک عبقری وتاریخ ساز شخصیت خواجہ فقیر محمد الحسنی الباروی قدس سرہٗ زیب مسند آستانہ عالیہ، پیر بارو شریف علیہ الرحمۃ کی تھی جو ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے (۳) اور دسمبر ۲۰۱۴ء کی ستائیسویں تاریخ کو حجاز مقدس کے سفر کے دوران چار ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ کو ۷۴ برس کی عمر میں اس جہانِ فنا سے عالم بقا کی طرف انتقال فرما کر لاکھوں مریدین، متوسلین، جملہ حاملین عقائد اہل سنت وجماعت کے علاوہ پورے علمی ماحول کو سوگوار فرما گئے۔ (۴)

احیاء سنت کی اس چلتی پھرتی تحریک کی زندگی کا ورق ورق عبادت، جہد مسلسل، سعی پیہم، غیرت وحمیت، سخاوت وعنایت، زہد وتقویٰ، بے باک صداقت، قطع شرک وبدعت اور ترویج عقائد اہل سنت سے عبارت ہے۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ خواجہ فقیر محمد نور اللہ مرقدہ، تحریک امام ربانی، مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے تسلسل اور آپ کی فکر کی ترویج کا نام ہے۔ مبدء فیض نے اس خلیق وشفیق ذات میں سلاسل طریقت کی خوبیوں کو یکجا فرما کر تصوف کا گویا ایک حسین گلدستہ بنا دیا تھا۔

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی روحانی امانتوں کے امین ہونے کے باوجود دیگر سلاسل طریقت کے احترام کا جو آپ نے عملی درس دیا ہے وہ آج کے دور کے ہر مسند نشین کے لیے از حد ضروری ہے۔ ورنہ انہیں سلاسل کی کوکھ سے مستقل مسالک کے جنم لینے کا خطرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تمام سلاسل طریقت کے مخلص بزرگوں نے خواجہ فقیر محمد علیہ الرحمۃ کی کمی کو شدت سے محسوس کیا ہے اور آپ کی سطح زمین سے زیر زمین قدم رنجہ فرمانے کو اپنے ہی سلسلہ کا عظیم صدمہ قرار دیا ہے۔ (۵)

بے شمار کرامات ومکاشفات کے ظہور وصدور کے باوجود آپ کی فکر کا قبلہ الاستقامۃ فوق الکرامۃ رہا۔ عمل واطاعت شعاری میں آپ کوہِ عزیمت اور جبل استقامت تھے جو صدیقی رقت قلبی رکھتے تھے لیکن میدانِ شریعت میں غیرتِ فاروقی کے دریا کی بپھری ہوئی لہر کی مانند تھے۔ شرمیلے ایسے کہ حیاء ذوالنورین کا عکس تھے، لیکن حق گوئی میں کربل حسین کے مقلد تھے۔ حلقہ یاراں میں تو ابریشم سے بھی نرم مگر رزمِ حق وباطل میں سیف حیدری بھی سوتنا جانتے تھے، گویا میدان میں ڈٹنا شیر خدا سے سیکھا تھا۔

اصلاح فساق میں فیاضِ مطلق نے آپ کو خاص مہارت عطاء فرمائی تھی، ہزاروں بے راہ رؤں کو جادۂ حق پہ گامزن فرمایا۔ بے شمار بدعقیدگی کے خزاں رسیدہ روافض، خوارج، ہندوؤں، قادیانیوں اور بدعملی

وبدکرداری کے عفریت سے ڈسے ہوؤں کو حق وصداقت کی روشنی، عمل وکردار کی چاشنی، محبت الٰہی اور عشق مصطفوی کی وہ میٹھی میٹھی چاندنی عطا فرمائی جو آج کے دور کی سب سے اہم ضرورت ہونے کے باوجود عملاً عنقاء ہوتی جارہی ہے۔

آپ نے زبانی تبلیغ سے کہیں زیادہ عملی تبلیغ فرمائی ہے۔ سیرت طیبہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر گوشہ کی خوشبو آپ کے جسم سے سونگھی جاسکتی تھی۔ محبت کے مذہب میں آپ بلا عمل دعویٰ محض پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ آپ کا مسلک عشق یہ تھا کہ عشق کبھی عاشق کو اپنے محبوب ومعشوق کی اداؤں سے آنکھیں چرانے نہیں دیتا۔ محبت تو محبوب کے ہر عمل کو اپنے عمل کا قبلہ وکعبہ بنانے کا تقاضا کرتی ہے کسی حسین سے محبت کا حسن یہ ہے کہ اس کی ہر ادا حسین لگے۔ محبت جب سراپا حسن سے ہو تو اداء حسن بھلا محب سے کب تشنہ ادارہ سکتی ہے، محبوب اگر بھول کر بھی کوئی عمل کر بیٹھے تو محب اس ادا کو جان جان کر ہزار بار ادا کرنے کو بھی اپنی محبت کی معراج سمجھتا ہے۔

حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ میں تصوف وولایت کی ہر خوبی بطریق اتم موجود تھی۔ آپ کی خوبیوں میں علم دوستی، علماء پروری اور طلبہ نوازی بہت عیاں تھی۔

خدمت علم وفن محض تصنیف وتالیف، تدریس وتقریر اور ترتیب وتدوین ہی میں منحصر نہیں ہے۔ علم کے شجر سایہ دار کو پھلنے پھولنے، فروغ پانے، اس کی نشوونما اور افزودگی وروئیدگی کا ماحول مہیا کرنا، نقوش علم کے لیے ترغیب وتحریص سے سینوں کے صفحات کو اثر پذیری کے لیے تیار کرنا، صاحبان علم وحاملانِ فن کی عزت وحوصلہ افزائی کرنا، کھلے بندوں کسی صاحب منصب کا صفت علم کے موصوفین کی قدر کرنا اور علوم وفنون کے گلستاں خوشبودار کے لیے زرخیز زمین کا مہیا کرنا بھی یقیناً ترویج علم اور اشاعتِ فن کے مترادف ہے بلکہ اساس ترویج ہے۔ طلبا کی ضروریات کا اہتمام ہو، علمی درس گاہوں کا قیام یا پھر فروغ علم کے مراکز کا انتظام، یہ سب علمی خدمات کی سنہری وروشن شکلیں ہیں اور ان سب اُمور کو حضرت غریب نواز علیہ الرحمۃ کے نمایاں کارناموں میں اوّلیت والویت حاصل ہے۔

علماء کی قدردانی کا عالم یہ تھا کہ بقول صاحب زادہ محمد قاسم دام اقبالہ، جب انہوں نے نحو کی ''الکافیہ'' شروع کی اور حضرت کو عرض کیا گیا تو فرمایا: ''میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے بیٹے کے قدم چوم لوں'' اور یہ صرف زبانی جمع خرچ والی بات نہ تھی بلکہ ایک موقع پر شاداب کالونی فیصل آباد میں قدم رنجہ فرما تھے کہ علامہ محمد رفیع باروی نے عرض کیا کہ یہ مولانا نصر الدین سیالوی، علامہ محمد اشرف سیالوی کے فرزند، عالم دین اور لائق مدرس

ہیں۔ پھر کیا تھا مولانا نصیر الدین کے قدم تھے اور حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے ہاتھ۔ مریدین ومتوسلین کی بہت بڑی تعداد انگشت بدنداں تھی کہ لاکھوں مریدین وسالکین جن کے جوڑوں کو اپنے سروں کا تاج بنانے کے لیے تڑپتے ہیں، آج عظمت علم کے سامنے اُس مینارِ عظمت نے اپنا سر جھکا کے علم دین کی عظمت کو ہم آغوش ثریا فرمادیا ہے اور امام ربانی علیہ الرحمۃ کے اس قول مبارک کی عملی صورت بن کر پیش فرمادی کہ طریقت شریعت کی خادم ہے۔ (۶)

علم وفضل کو خراج عقیدت پیش کرنے کا یہ انداز شاید ہی کسی شیخ طریقت کے ہاں دیکھنے کو ملے۔ علامہ محمد اشرف سیالوی علیہ الرحمۃ آخری چند سال چھوڑ کر ہر سال دربارِ عالیہ پر عرس کی تقریبات میں خطاب کے لیے مدعو ہوتے، دیگر کانفرنسز میں اُن کا خصوصی خطاب ہوتا اور حضرت غریب نواز علیہ الرحمۃ سے بہت ہی قلبی محبت کرتے اور اس بات کا برملا اظہار کرتے کہ علماء کے حصے میں تو صرف ایک ہی پیر آیا ہے یعنی خواجہ فقیر محمد زید فیوضہ جنہوں نے علماء کی قدر افزائی کا حق ادا کر دیا ہے بلکہ علماء کو مقروض کر چھوڑا ہے۔ حضرت غریب نواز علیہ الرحمۃ کے فرزند اکبر اور مسند نشین حضرت علامہ حافظ محمد حسن باروی دام سرہٗ نے بتایا کہ ایک مرتبہ علامہ سیالوی مرحوم آستانہ عالیہ پر حاضر تھے، میں نے کھانا پیش کیا چونکہ کثرت مطالعہ کی وجہ سے ضعف گردن کا عارضہ آپ کو لاحق تھا اس لیے میں خود روٹی کے لقمے توڑ توڑ کر آپ کو پیش کر رہا تھا، ایک آدھ مرتبہ علمی محبت نے جوش مارا تو میں نے لقمہ خود آپ کے منہ میں پیش کیا، بس پھر کیا تھا کہ آنکھوں سے سیل اشک رواں ہوگئے۔ میں نے عرض کیا: حضور! کیا ہوا خیریت تو ہے، یہ موقع رونے کا تو نہیں؟ فرمایا: صاحب زادہ صاحب! دعائیں دو علماء پرور اور علم نواز اپنے والد گرامی کو جنہوں نے آپ کی تربیت فرمائی ہے اور علم وفن کی محبت کوٹ کوٹ تمہارے اندر بھر دی ہے۔ ورنہ پیروں کے آستانوں پہ اور صاحب زادوں کے ہاں علماء کو کون پوچھتا ہے؟ اور آج کل تو جاہل و بے علم پیروں اور اُن کے بے لگام صاحب زادوں نے علماء کو اس قدر بے قدر کر دیا ہے کہ لوگ علم دین پڑھنے کے بجائے جہالت کی دو چادریں لپیٹ کر رہبری ومریدی کی دکان چمکانے کو ترجیح دیتے، ایسے میں ایسی عزت افزائی عظیم باپ کی عظمت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

اس جیسے بے شمار واقعات ہیں کہ حضرت علیہ الرحمۃ نے علماء کرام کو کھلے بندوں اتنا احترام واکرام دیا کہ لوگوں کے دلوں میں علم کی محبت پیدا ہوئی اور انہوں نے حصول عزت کے لیے اپنے بچوں کو طلب دین کے لیے وقف کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کی اس عملی تحریک سے ہزاروں حفاظ، قراء، علماء، مفتیان، مدرسین اور مبلغین تیار ہوئے۔ خلق خدا دور دور سے دعاء کرانے کے لئے آپ کے پاس حاضر ہوتی لیکن آپ بسا اوقات

علماء بلکہ طلبہ سے فرماتے کہ تم دعا کرو حقیر سمیت کئی طلبہ شرمندگی سے ڈوب ڈوب جاتے، جب آپ اصرار سے فرماتے کہ تم دعاء کراؤ، میں آمین کہتا ہوں۔

طلبہ دین کا بے حد احترام فرماتے، مولانا محمد منظور باروی آف فتح پور پاؤں کی طرف حاضر خدمت تھے، آپ نے پاؤں سیدھے کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان کو اُٹھ کر دوسری طرف بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے قدموں میں بیٹھنا میرے لیے سعادت ہوگی، آپ نے فرمایا: آپ دین کے طالب علم ہیں آپ کی طرف پاؤں کرنا بے ادبی ہے۔

آپ کے فرزند محمد قاسم حسین نے بچپن میں کسی بات پہ ایک حفظ کے طالب علم کو تھپڑ مار دیا تو وہ رونے لگا۔ مزار مقدس حضرت بارو علیہ الرحمۃ پر حاضر تھے، حضرت غریب نواز علیہ الرحمۃ کے آنے کا وقت تھا۔ صاحب زادہ صاحب نے اُسے خاموش کرانے کی بہت کوشش کی، پیسوں کا لالچ دیا کہ کہیں خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کو پتہ نہ چل جائے لیکن اسی ناکام کوشش میں حضرت صاحب علیہ الرحمۃ مزار مبارک میں تشریف فرما ہوئے اور بچے کو روتا دیکھ لیا۔ اُس سے پوچھا کہ کس نے مارا ہے؟ اُس نے یا کسی دوسرے طالب علم نے عرض کیا کہ صاحب زادہ قاسم حسین نے! فرمایا: اُسے بلاؤ! صاحب زادہ صاحب تب تک مزار مبارک سے کھسک گئے تھے، جب بلانے پر حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: تم نے ایک حافظ قرآن، دین کے طالب علم اور مسافر بچے کو مارا ہے؟ فرمایا: بیٹا! پیری مریدی اپنی جگہ لیکن تم نے ایک مہمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مار کر اُسے رنجیدہ کیا ہے، آگے بڑھو، سب کے سامنے اس سے معافی مانگو۔ بقول صاحب زادہ صاحب جرأت انکار کی تو مجال ہی نہ تھی، اور نہ ہی اس میں سبکی محسوس کی۔ میں نے آگے بڑھ کر سب مریدین وحاضرین کے سامنے ہاتھ بھی جوڑے اور پاؤں کی طرف جھک بھی گیا، لیکن حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے اسی پر اکتفاء نہ کیا بلکہ فرمایا: بیٹا! میں بھی تم سے معافی چاہتا ہوں۔

جس شیخ نے اپنے صاحب زادگان کی اس انداز میں تربیت فرمائی ہو، طلبہ کی اس قدر عزت افزائی اور علماء کے وقار کو بلند کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ فرمایا ہو، اُس کے چلے جانے سے علمی حلقے کا احساس یتیمی تو ایک فطری امر ہے۔

علماء ومشائخ کا جو آپ پر اعتماد تھا اس کی جھلک دو واقعات سے عیاں ہو جائے گی۔ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ سے جب کوئی مزید اسباق سلوک کے لئے عرض کرتا تو آپ اکثر اُسے حضرت خواجہ فقیر محمد دامت برکاتہم کی طرف بھیجتے، آپ کے ختم قل شریف کے موقع پر مولانا محمد یوسف سعیدی نے بیان کیا کہ وہ حضرت

کاظمی علیہ الرحمۃ کے مرید ہوئے۔ اسباق کے لیے عرض کیا، چند مختصر وظائف تلقین فرمانے کے بعد فرمایا کہ مزید اسباق کے لیے خواجہ فقیر محمد دامت فیوضہ کے پاس حاضر ہوجاؤ۔ سید کاظمی چشتی تھے، جب کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نقشبندی مجددی۔ اگرچہ آپ کو سلاسل اربعہ میں خلافت حاصل تھی، لیکن عملاً ترویج واشاعت سلسلہ نقشبندیہ کی فرماتے۔ حضرت کاظمی علیہ الرحمۃ کا اپنے مریدین کو تربیت کے لیے آپ کے پاس بھیجنا آپ کے روحانی مقام رفیع کے اعتراف اور آپ پر اعتماد کی صریح دلیل ہے۔

امام الشاہ احمد نورانی علیہ الرحمۃ جو جامع شریعت وطریقت تھے اور مسند ولایت پر فائز تھے، وہ بھی حضرت خواجہ باروی علیہ الرحمۃ سے بہت گہرا قلبی تعلق اور اعتماد کا رشتہ رکھتے تھے، کچھ عرصہ حضرت نورانی میاں علیہ الرحمۃ اور مجاہد ملت علامہ عبدالستار خان نیازی علیہ الرحمۃ کے درمیان سیاسی آراء میں اختلاف ہوا اور جمعیت علماء پاکستان دو حصوں ''نورانی ونیازی'' میں بٹ گئی۔ حضرت غریب نواز علیہ الرحمۃ جو مذہبی محبت وغیرت میں اپنی مثال آپ تھے، کو بہت دلی صدمہ ہوا۔ چنانچہ آپ نے اتحاد قائدین کے لیے چوک اعظم میں سنی کانفرنس کا اہتمام فرمایا۔ اس میں اتحاد اہل سنت کی دردمندانہ اپیل کی گئی۔ اور سب سے پہلے اتحاد کے لیے ایک کمیٹی وجود میں آئی جس میں مقتدر علماء کرام کو شامل کیا گیا، یہاں تک کہ اس کمیٹی میں علامہ عطاء محمد بندیالوی علیہ الرحمۃ بھی بطور ممبر بعد میں شامل ہوئے۔ اس اتحاد کی کوشش کا ثمر ہی تھا کہ بالآخر نورانی ونیازی اتحاد کا نتیجہ چند سالوں بعد برآمد ہوا۔ قائد اہل سنت پنجاب کے دورے پر تھے تو حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ نے آپ سے ملاقات فرمائی اور فرمایا کہ آپ مہربانی فرمائیں اور اتحاد کی کوئی سبیل نکالیں۔ امام نورانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: خواجہ صاحب! آپ میرے نمائندے ہیں اور آپ کو میری طرف سے مکمل اختیار ہے، آپ اتحاد کے لیے جو فیصلہ کریں گے مجھے قبول ہوگا۔ حضرت نورانی میاں علیہ الرحمۃ نے اتحاد اہل سنت کے لیے تمام کوششوں کا احترام فرمایا۔

ان کے ساتھ مکمل تعاون فرمایا لیکن کسی معین شخصیت پر اس قدر اعتماد فرماتے ہوئے ایسا بھرپور اختیار حضرت غریب نواز علیہ الرحمۃ کے علاوہ کسی کو نہ دیا۔ ان بزرگ علماء کے علاوہ جن علماء سے آپ کے قریبی اور احترام کے تعلقات رہے اُن میں شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی، پیر آف گولڑہ شریف، پیر آف تونسہ شریف، پیر آف بھکی شریف، پیر آف کرمانوالہ شریف، پیر آف شرقپور شریف، پیر آف موسیٰ زئی شریف، پیر آف مرشد آباد شریف، محدث اعظم پاکستان علیہم الرحمۃ، علامہ عطاء محمد بندیالوی، علامہ عبدالرشید جھنکوی، علامہ عبدالرشید سمندری، علامہ محمد شریف رضوی، علامہ منظور احمد نواں جنڈاں والا، علامہ غلام علی اوکاڑوی، سید

محمود احمد رضوی، علامہ منظور احمد فیضی، علامہ فیض احمد اویسی، ملک محمد اکبر ساقی، علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، علامہ خدا بخش اظہری، علامہ خورشید احمد ظاہر پیر، علامہ حامد علی خان ملتان شریف، علامہ صوفی حامد علی لیہ، مولانا غلام محمد تونسوی (جو کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت بھی تھے) علیہم الرحمۃ۔ علامہ محمد الیاس عطار قادری امیر دعوت اسلامی، مفتی منیب الرحمن کراچی، علامہ محمد اشرف آصف جلالی، علامہ سعید احمد اسعد، علامہ عبد المجید سعیدی، علامہ عبد الستار خاں سعیدی، علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ، علامہ سید مظہر سعید کاظمی و برادر ادن، علامہ محمد اکرم شاہجہالی، علامہ مفتی محمد خان قادری، علامہ شوکت علی سیالوی، علامہ مفتی محمد رفیق الحسنی، مفتی فضل الرحمن وہووا، تقریباً تمام جید و معروف علماء کرام سے آپ کا تعلق اور باہمی پیار رہا۔

حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے بیسیوں مدارس دینیہ اور مساجد کی بنیاد رکھی جن میں ہزاروں طلبہ وطالبات مستفید ہو رہے ہیں۔ آپ کی ترغیب وتحریص سے بلا مبالغہ ہزاروں حفاظ، قراء، علماء، خطبا، مدرسین، مبلغین، مصنفین تیار ہوئے جو دنیا کے کونے کونے میں خدمت دین میں مشغول ہیں۔ آپ کی گفتگو بہت سادہ اور پر مغز ہوتی، بسا اوقات ایسے سادہ ملفوظات کا اظہار ہوتا جن میں علم ومعرفت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر رواں ہوتا، چند ملفوظات مشتے از خروارے کے طور پر ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ صاحب زادہ خواجہ محمد حسن صاحب سے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء پکارو تو ممکنہ القاب وآداب کے ساتھ پکارو، کیوں کہ جب کسی سے کچھ مانگتے اور سوال کرتے وقت موصوف کو اچھے الفاظ، القاب اور صفات وعادات کے ساتھ یاد کریں تو وہ نہ صرف یہ کہ مسئولہ چیز عطا کرتے ہیں بلکہ فضل واحسان کا معاملہ فرماتے ہیں اور سب سے زیادہ اور حقیقتاً ہم جن ذوات قدسیہ کے محتاج وفقیر ہیں اُن کی شان رفیع کا تقاضا ہے کہ اُن کے اسماء محبت واخلاص سے لیں تا کہ اُن کا دریائے کرم جوش میں آئے اور ہماری بگڑی بن جائے۔

۲۔ حضرت صاحب زادہ صاحب سے فرمایا: جب کسی مزار، آستانِ اقدس، یا بزرگ کے دربار پر حاضر ہوں تو سب سے پہلے اس کی اولاد امجاد میں سے کسی صاحب زادے سے مل کر اور اُن کی خدمت کر کے حاضری دو، اس طرح صاحب مزار کی اولاد کے ساتھ اگر پیار، محبت اور احترام سے پیش آؤ گے تو صاحب مزار کی روح خوش ہوگی اور پھر جب اس بزرگ کی بارگاہ میں حاضری ہوگی تو ان کی خصوصی توجہ، التفات اور فیض وافر سے بہرہ مندی نصیب ہوگی۔

۳۔ قاری خلیل احمد باروی علیہ الرحمۃ کے جنازے کے موقع پر ایک عمر رسیدہ شخص نے عرض کیا کہ مجھے ایک

عرصہ ہوگیا ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے لیکن قلب جاری نہیں ہوا، فرمایا: تم ذکر کرتے رہو، ہمیں ذکر کا حکم ہے اور یہ ذکر خود مقصود ومطلوب ہے۔ فرمایا: جیسے کسی چراغ پہ اوندھا برتن رکھ دیا جائے تو اس کی روشنی برتن کے اندر چھپ جائے گی لیکن ختم نہ ہوگی تو اسی طرح کسی سبب سے قلب کے نور پر کوئی پردہ حائل ہوجاتا ہے جب بھی یہ پردہ دور ہوگا تو پیچھے ذکر الٰہی کا نور ہی ہوگا اور باطن اُس نور سے منور ہوگا اس لیے ذکر کبھی نہ چھوڑو چاہے قلب میں اس کا اثر محسوس نہ بھی ہو۔ یعنی ذکر الٰہی کا قلب میں احساس ضروری نہیں، ذکر پہ استقامت ضروری ہے۔

۴۔ آپ نے فرمایا جاہل کی مثال ٹنڈ انڑیں (ایک نجس کیڑے) کی ہے جو اپنے وجود کے ساتھ گندگی اور نجاست کے گولے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ دھکیلتا رہتا ہے جب کہ عالم دین حامل نور ہوتا ہے۔

۵۔ بعض غلاموں سے اگر کسی کام میں سستی ہوتی تو فرماتے کہ یہ فلاں آدمی کہتا ہے کہ میں سمجھ دار ہوگیا ہوں مجھے چرانے کے لیے بکریاں لے کر دو۔ بظاہر یہ ایک مزاح تھا لیکن راقم کے فہم میں اس بات کی طرف اشارہ ہوتا کہ یہ آدمی خلافت کا متمنی ہے اور سمجھتا ہے کہ میں مریدوں کو سنبھالنے کے قابل ہوگیا ہوں اور ان کی تربیت کی صلاحیت کا حامل ہوگیا ہوں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ کیوں کہ اعلانِ نبوت سے قبل تقریباً تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے بکریاں چرائی ہیں اور اللہ جل شانہ نے ہر نبی کو اُمت کی تربیت کے لیے یہ کام سونپا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض انسانوں میں بھی بہائم جیسی صفات وعادات ہوتی ہیں جن کو سنبھالنا، سنجیدگی ومتانت اور انسانی حدود واقدار میں رکھنا جانوروں کی نگہبانی جیسا مشکل اور صبر آزما کام ہے۔

۶۔ ایک مرتبہ راقم سے فرمایا: ہمارے بزرگ اور مشائخ علماء وطلبہ کو اسباقِ سلوک نہیں بتاتے تھے، اس لیے کہ سلوک بھی ایک ''ٹھرک'' (دائمی جنون) ہے، اگر طلبہ وعلماء کو اس پر لگا دیا جائے تو وہ علوم دینیہ کے پڑھنے پڑھانے پر پوری توجہ نہیں دے سکتے۔ حالانکہ یہی علوم دینیہ ہی طریقت ومعرفت کی اساس ہیں اور جو وقت عموماً اوراد ووظائف، مراقبہ وتسبیحات کا ہوتا ہے، وہی وقت مطالعہ وتکرار اور تعلیم وتدریس کا ہوتا ہے۔ تدریس کے بے تاج بادشاہ علامہ عطاء محمد بندیالوی نور اللہ مرقدہ نے ایک مرتبہ حضرت خواجہ محمد عبداللہ پیر بارو سرکار علیہ الرحمۃ سے عرض کیا تھا کہ ''میرے پاس قال ہے اور حال نہیں ہے'' تو آپ نے جواب میں فرمایا: مولانا! یہی تمہارا قال ہی تمہارا حال ہے۔ بس ان جملوں سے گویا آپ نے چراغ حال کو روشن فرما دیا اور پھر علم وفضل کا پورا جہان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت بندیالوی علیہ الرحمۃ کے قال کو ہی اُن کا حال بنا دیا اور وہ قرآن، حدیث، فقہ واصول کی تدریس میں ایسے ڈوبے کہ آخری سانسیں بھی قال اللہ جل جلالہ وقال

الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساز سے متحرک تھیں اور زبان اسی وظیفہء عشق ومحبت سے تر تھی۔

۷۔ راقم ایک شب ایک محفل قراءۃ کے بعد قاری غلام رسول لاہور علیہ الرحمۃ کے ہمراہ حضرت بارو فقیر علیہ الرحمۃ کے پاس حاضر ہوا، رات کا تقریباً آدھا حصہ بیت چکا تھا، دل میں خیال آیا کہ امشب بقیہ حصہ تنہائی میں مزار پرانوار پہ حاضری میں گزارا جائے اور انوار وتجلیات الٰہیہ خاصہ جو قبور صالحین پر ابر کرم بن کر برستی ہیں، سے کچھ کسب فیض کر کے آلودگئ معاصی سے نجات کا سامان کیا جائے۔ لیکن جب مزار شریف میں قدم رکھا تو حضرت غریب نواز خواجہ علیہ الرحمۃ فقر وعجز کی تصویر بنے صاحب مزار کے قدموں میں مراقب تھے۔ راقم نے بہت ہی احتیاط سے مزار شریف کے سامنے بیٹھ کر تلاوت قرآن حکیم دل ہی دل میں شروع کر دی۔ جب کچھ وقت گزرا تو فرمایا بیٹا سالک کے لیے سب سے بہتر یہ ہوتا ہے کہ برکت کے لیے قرآن حکیم کی تلاوت کر کے زیادہ وقت اپنے بزرگوں کا دیا ہوا سبق سلوک (اسم ذات، نفی واثبات اور مراقبہ وغیرہ) پہ دھیان دیا جائے اور اس کو پڑھا جائے (کیوں کہ طالب علم کے لیے باقی مشاغل سے پہلے اپنا نصابی سبق یاد کرنا زیادہ ضروری ہوتا ہے) راقم نے جھوٹا موٹا سر جھکا لیا، جب صبح ہوئی تو اپنے قریبی غلام سے فرمایا: قاری صاحب تو ساری رات مزار شریف پہ ذکر وورد میں مشغول رہے ہیں، حالانکہ راقم تو رات کا بہت سارا حصہ محفل میں گزار کر اور پھر تقریب اکل وشرب سے فارغ ہو کر تقریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد آستانِ فیض پر حاضر ہوا تھا جب کہ زلف شب اس کی کمر سے بھی تجاوز کر رہی تھی اور خود نہ جانے کب سے مراقب تھے، لیکن ذرۂ خاک کی حوصلہ افزائی اور بندہ نوازی کے لیے ایسا فرمایا تا کہ مزید اس جادۂ نور پر چلنے کی ترغیب وتحریص ہو، لیکن غفلت، شیطنت، معصیت اور مشاغل دنیوی کب یہ موقع بار بار دیتے ہیں۔

حقیقی صوفی کی زندگی کا ایک بڑا مقصد اپنے کردار کی تطہیر کے بعد اپنے جلیس ومصاحب اور متعلق وعقیدت مند کی کردار سازی ہے، جو شخص سیرت سازی میں اپنی ذات تک محدود ہو اور دوسرے کے متعلق چشم پوشی کا مرتکب ہو وہ راہِ سلوک کا سالک اور جادۂ طریقت کا طالب تو ہو سکتا ہے، کسی سالک وطالب کا مرشد ومربی نہیں ہو سکتا، ہر کام کی طرح طالبین حق کی تربیت وتعلیم بہت ہی صبر آزما اور حکمت ودانش مندی نیز موعظ حسنہ کی متقاضی ہے۔ حضرت خواجہ فقیر محمد علیہ الرحمۃ کا طریق تربیت واصلاح بہت سادہ، پر اثر، عام مثالوں سے آراستہ اور حکمت ودانش مندی سے عبارت تھا۔ داڑھی منڈے سے فرماتے: عورت سید طیبہ رضی اللہ عنہا کی سنت پر عمل کرتی ہے، اپنے سر بال منڈوا کر گندے پانی کی نالی میں نہیں پھینکتی بلکہ کنگھی کرتے وقت اُس کے جو بال جھڑتے ہیں انہیں بھی کسی دیوار کے شگاف میں چن دیتی ہے اور تم آئے روز فخر انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

سنت (بلکہ واجب) کی توہین کرتے ہو، اس کا قتل عام کرتے ہو، اہانت سنت کرنے والے کو پیسوں کی صورت میں انعام دیتے ہو اور پھر سنت مبارکہ کے بالوں کو گندی جگہ پھینکوا دیتے ہو، تم سے تو عورت اچھی ہے۔ آپ جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیتے وہ تحفظ عقائد تھا، آپ بیعت ہونے والے کو پہلا درس ہی گستاخانِ رسول، صحابہ کرام، اہل بیت اور اولیاء کاملین کے بے ادبوں سے دوستی، نیاز مندی، اُن سے رشتہ داری وتعلق سازی، ان کے پروگراموں میں شرکت اور ایسے تمام امور سے منع فرماتے جن سے اُن کے ساتھ کسی بھی قسم کا اثر پذیری کا تعلق قائم ہو سکنے کا امکان ہوتا۔

نماز، روزہ، زکوٰۃ وعشر، تلاوت قرآن حکیم، مدارس دینیہ، دینی مدارس کے طلبہ اور علماء کی تعظیم وتوقیر کا حکم فرماتے۔

درباروں پر اکثر لوگ عموماً مختلف اقسام کے مسائل، مصائب، منافرتوں اور امراضِ جسمانیہ کے لیے تعویذات لینے آتے ہیں بلکہ عوام میں پیری مریدی کا تصور ہی تعویذ گنڈے سے اُبھرتا ہے۔ دربارِ عالیہ حضرت پیر بارو شریف وہ واحد روحانی مرکز ہے جہاں تعویذات دیئے تو جاتے ہیں مگر پیری مریدی کی دکان چمکانے اور محض نذرانے بٹورنے کے لیے نہیں بلکہ اصلاحِ اعمال اور تربیت بندگان کے لیے۔ اس آستانِ فیض کے تعویذات بہت ہی پر اثر ہیں۔ خصوصاً مختلف اقسام کی امراض کے لیے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب تعویذ اور جسمانی دردوں، پھوڑے پھنسیوں اور وجع مفاصل کے لیے دم شدہ پتھر تو گویا تیر بہدف ہیں جو کم از کم اکیس دنوں اور زیادہ سے زیادہ اکتالیس دنوں کے لیے استعمال کرائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے لیے دو بنیادی ضروری اور پرزور شرطیں لگائی جاتی ہیں کہ یہ تعویذات اور پتھر اکتالیس دنوں تک نماز پنجگانہ پڑھ کر استعمال کیے جائیں اور مسلسل استعمال کیے جائیں نہ نماز میں ناغہ اور نہ ہی تعویذ وغیرہ کا ناغہ ہو ورنہ ان کا اثر نہیں ہوگا اور اگر ان میں ناغہ ہوا تو نہ صرف یہ کہ فائدہ نہ ہوگا بلکہ یہ عمل دوبارہ سے از سر نو شروع کرایا جائے گا۔

یہ بظاہر تو تعویذات کا استعمال ہے لیکن درحقیقت ہر ضرورت مند کا باطنی وروحانی اور عبدیت کا رشتہ اپنے مالک وشافیٔ حقیقی کے ساتھ جوڑ کر اس کی اصلاح کی مخلصانہ، دانشمندانہ اور پرحکمت کوشش ہے اور یہ بزرگان دین کا محبوب عمل ہے کہ جو انسان اتنے دنوں تک نماز کی پابندی کرے اُس میں مستقل نماز کی عادت بھی پیدا ہو جاتی ہے اور مسلسل اتنے دنوں تک بارگاہِ الٰہی میں عاجزی وانکساری سے دعا کرتے رہنے سے مصائب وتکالیف بھی ختم ہو جاتی ہیں اور یہی مرشد کامل کا حقیقی مقصد ہوتا ہے۔

آج کے دور میں خانقاہی نظام بہت ساری باتوں میں اپنی سابقہ روایات سے کج روی کا شکار ہے۔ علم کو خانقاہی روایات کے گویا عملاً منافی قرار دیا گیا ہے۔ منصب رشد وہدایت کے لیے کسی نصاب کی ضرورت نہیں رہی بس کسی پیر کا فرزند ہونا ہی کافی ہے۔ خدمت خلق کے بجائے صرف خدمت مرشد ہی کا تصور پروان چڑھایا گیا ہے اور حاضرین کو مزارات پر حاضری کے لیے آداب وشرائط کا پابند بنانے کے بجائے شتر بے مہار بنا دیا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت خواجہ فقیر محمد البارو ی علیہ الرحمۃ کے نقوش زندگی کو مشعل بنا کر نظام خانقاہی میں اصلاحات کی جائیں۔

○○○

حوالہ جات

۱۔ الاحزاب ۳۳:۷

آل عمران ۳:۸۱

۲۔ امام ربانی، شیخ احمد فاروقی، سرہندی، مکتوبات، جلد اوّل، مکتوب ۱۰۸، کراچی: ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۳۹۷ھ

۳۔ محمد حسن باروی، صاحب زادہ، فیوضات بارویہ، لیہ: مکتبہ بارویہ، ۱۴۱۶ھ، ص ۱۸۷

۴۔ محمد طاہر عزیز، مضمون: نالہء دل، مشمولہ: مجلہ، الفقیر، لاہور: انجمن حسنیہ بارویہ، جلد ۱، شمارہ: ۴، ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ، ص ۹

۵۔ محمد فاروق القادری، سید (پیر)، مضمون: امین امانت بارو، مشمولہ: مجلہ، الفقیر، لاہور: انجمن حسنیہ بارویہ، جلد ۱، شمارہ: ۴، ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ، ص ۹

۶۔ امام ربانی، شیخ احمد فاروقی، سرہندی، مکتوبات، ج ۲، مکتوب ۲۶۰

ooo